© rasailojaraid.com

ترجمہ وتلخیص

روس میں اسلامی علوم کا مطالعہ
(انقلاب کے بعد)
(۲)

ڈاکٹر کبیر احمد جائسی

مشہور روسی مصنف سمرنوف نے اپنی کتاب "روس میں مطالعات علوم اسلامیہ کی تاریخ کا مجمل خاکہ" کے چوتھے باب میں ۱۹۱۸ سے ۱۹۲۴ تک کی اُن کتابوں اور مقالوں کا تعارف کرایا ہے جن کا موضوع اسلامیات ہے اس ضمن میں انھوں نے وی۔ وی بارتھولڈ اور آئی۔ یو۔ کراچکوسکی کے کاموں کے بارے میں کسی قدر تفصیل سے بحث کی ہے اور لکھا ہے کہ بارتھولڈ (۱۸۹۶ - ۱۹۳۰ء) کی تصانیف اور مقالے روسی میں اسلام شناسی کے عمل میں سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ وہ روس کے انقلاب کے بعد بارہ برسوں تک زندہ رہے اس مدت میں بھی انھوں نے اسلام شناسی کے موضوعات پر متعدد مقالے تحریر کیے جن میں سے چند اہم مقالات کا اختصار کے ساتھ درج ذیل سطور میں تعارف کرایا جا رہا ہے۔ قبل اس کے کہ بارتھولڈ کے مذکورہ بالا مقالوں کے سلسلے میں کچھ عرض کیا جائے اس حقیقت کی نشان دہی ضروری معلوم ہوتی ہے کہ ان کو ان کی زندگی میں بھی "پرولتاری عالموں" نے "بورژوا" نقطۂ نظر کا ترجمان سمجھا اور اب بھی وہ اسی نقطۂ نظر کے ترجمان سمجھے جاتے ہیں، اس کے باوجود یہ ایک دلچسپ بات ہے کہ روسی مصنفین ہوں یا یورپی مصنفین جب اُن موضوعات پر قلم اٹھاتے ہیں جن پر بارتھولڈ کچھ نہ کچھ کام کر چکے ہیں تو ان کی کتابوں یا مقالوں سے صرف نظر نہیں کر پاتے۔ خواہ وہ ان کے اخذ کردہ نتائج سے اتفاق کریں یا اختلاف لیکن جب تک وہ بارتھولڈ کا حوالہ نہیں دیتے اُن کا کوئی علمی کام پایۂ اعتبار کو نہیں پہنچتا۔

ہمیں یہ تو نہ معلوم ہو سکا کہ سمرنوف نے زیر بحث کتاب میں بارتھولڈ کے کتنے ایسے مقالات کا ذکر کیا ہے جو انھوں نے انقلاب روس کے بعد اسلامی موضوعات پر لکھے ہیں۔ سنٹرل ایشین ریویو کے تبصرہ نگار نے ان کے صرف دو مقالات کا ذکر کیا ہے جس سے اتنا معلوم ہو جاتا ہے کہ ۱۹۲۴ء میں انھوں نے مسیلمہ پر ایک مقالہ شائع کروایا تھا جس میں اشاعت اسلام کے موضوع

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پر بہت سارا مواد جمع کر دیا گیا ہے۔ اس مقالہ میں بارتھولڈ نے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ یمنی مدعی نبوت اسود ہی کی طرح مسیلمہ بھی اس بات کا قائل تھا کہ خدا نے اس کا جسم اختیار کر لیا ہے (اس طرح وہ الوہی صفات کا حامل ہو گیا ہے) ۶۲۸ء میں خسرو دوئم کے قتل کے بعد تاریک خیال، غیر اہل کتاب افراد کے پشت ہا پشت سے چلے آنے والے عقاید تتر بتر ہونے لگے، اور جو لوگ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مد مقابل بن کر نبوت کا دعویٰ کر بیٹھے تھے یا تو انھوں نے آپ سے صلح کر لی یا آخر الامر آپ نے ان کو نیست و نابود کر دیا۔

"قرآن اور سمندر" کے عنوان سے بارتھولڈ کا ایک اور مقالہ ۱۹۲۵ء میں شائع ہوا تھا۔ اس مقالہ میں بارتھولڈ کا مرکزی خیال یہ ہے کہ قرآن میں سمندری سفروں کا جو تذکرہ ملتا ہے وہ یہودی روایات سے ماخوذ نہیں ہو سکتا ہے بلکہ اس کا تعلق شط العرب (EUPHRATES) سے ہونا چاہئے کیونکہ عرب کے یہودی سمندر کے کنارے آباد نہیں تھے۔ اس مقالے میں بارتھولڈ نے یہ نکتہ بھی اختراع کیا ہے کہ قرآن میں سمندری سفر کرتے وقت اللہ کے یاد کرنے کو جو لازمی قرار دیا گیا ہے وہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ سمندری سفر کا سارا کاروبار حبشہ کے موحدین کے ہاتھوں میں تھا۔ اسی کے ساتھ ساتھ انھوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اللہ کا جو تصور پیش کیا ہے وہ یہودیوں کے نہیں بلکہ عیسائیوں کے تصور الٰہ کا منت پذیر ہے۔

مذکورہ بالا دونوں مقالوں کے بارے میں بس اتنی ہی معلومات ہم کو دستیاب ہو سکی ہیں اس لئے ہم ان کے مندرجات پر کوئی خاص تنقیدی نظر نہیں ڈال سکتے اور نہ اس راز ہی کو سمجھ سکتے ہیں کہ کہ "قرآن اور سمندر" کے موضوع سے بحث کرتے ہوئے بارتھولڈ اسلام کے تصور الٰہ تک کس طرح پہونچے اور کن اسباب کی بنا پر انھوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ اسلام کا تصور الٰہ، عیسائیوں کے تصور الٰہ کا منت پذیر ہے؛ ان مقالوں کے عنوانات سے یہ بات ضرور سامنے آتی ہے کہ روسی مستشرقین قرآنی مباحث اور موضوعات کا کس کس زاویۂ نظر سے مطالعہ کرنے میں مصروف تھے اور بعض اوقات ایسے ایسے عنوانات سے مقالے لکھتے تھے جن کے بارے میں ایک عام مسلمان کے حاشیۂ تصور میں بھی یہ بات نہیں آسکتی کہ اس موضوع پر بھی کوئی ایسا مقالہ لکھا جا سکتا ہے جس کا تعلق قرآن پاک سے قائم کر دیا جائے۔

کراچکوسکی کے نزدیک علوم اسلامی کے مطالعہ میں بارتھولڈ کا سب سے اہم کارنامہ ان کا یہ اعتراف ہے کہ مذہب ان تمدنی، سیاسی اور معاشی حالات سے پیدا ہوتا ہے جو کسی مخصوص سماج

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی زندگی کا تعین کرتے ہیں بارتھولڈ کی یہ رائے بورژوا مصنفین کے اس مفروضہ کے برعکس ہے کہ مذہب "عدم زا" (EX NIHILO) ہوتا ہے جس کو پھر حقیقی زندگی کے حالات کے سانچے میں ڈھال لیا جاتا ہے۔

یہ بات کراچکوسکی نے اپنے مقالے "بارتھولڈ اور مطالعات علوم اسلامیہ کی تاریخ" میں لکھی ہے جس کو ۱۹۳۴ء میں سائنسوں کی اکیڈمی نے شائع کیا تھا۔ سمرنوف کے خیال میں کراچکوسکی کا یہ مقالہ مارکسی نقطۂ نظر سے نہیں لکھا گیا ہے مگر پھر بھی وہ اہمیت کا حامل ضرور ہے اسی لیے اس کو روسی انسائکلوپیڈیا کی دوسری اشاعت میں بارتھولڈ کے حالات کے ضمن میں ایک مفید ضمیمے کے طور پر شامل کر لیا گیا ہے۔

سائنسوں کی اکیڈمی نے کراچکوسکی کا وہ مقالہ بھی شائع کیا ہے جو انھوں نے "ظہور اسلام سے قبل کی عرب شاعری کے بارے میں طٰہٰ حسین کا نظریہ اور اس کی تنقید" کے عنوان سے لکھا ہے۔ اس مقالے میں کراچکوسکی نے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ طٰہٰ حسین کا ظہور اسلام سے قبل کی عربی شاعری کے مستند ہونے سے انکار اور قرآن کے سلسلے میں "بنیاد پرستی" کی مخالفت، "ناپائدار بورژوا علمیت" کے اثر کا نتیجہ ہے۔ انھوں نے اس بات کی طرف بھی خاص طور سے توجہ کی ہے کہ طٰہٰ حسین کے متبعین بالخصوص 'فجر الاسلام' کے مصنف احمد امین اپنے نظریات کے اظہار میں طٰہٰ حسین کے مقابلے میں کم کٹر ہیں گو کہ ان لوگوں کا نظریہ بھی بلا کم و کاست وہی ہے جو طٰہٰ حسین کا ہے اور علمیت سے قطع نظر دیگر میدانوں میں وہ لوگ ایک اہم حیثیت رکھتے ہیں۔ ۱۹۳۴ء میں کراچکوسکی نے ایک اور مقالہ "اٹھارویں صدی کے مخطوطات میں قرآن کا روسی ترجمہ" کے عنوان سے لکھا جس کے مندرجات پر تبصرہ نگار نے کوئی روشنی نہیں ڈالی ہے۔

عہد زیر بحث میں روسی مصنفین نے اسلامی فرقوں کو بھی اپنے مخصوص مطالعے کا موضوع بنایا۔ جن لوگوں نے اس موضوع پر کام کیا ان میں ایک معتبر اور اہم نام کثیر التصانیف وی۔ اے۔ گورڈلیوسکی (GORDLEVSKII) کا ہے جنھوں نے خواجہ بہاء الدین نقش بندی بخاری کو اپنے مخصوص مطالعے کا موضوع بنایا اور اس سلسلے میں ۱۹۲۹ء میں پورے ایک سال تک بخارا میں رہ کر انھوں نے اپنے مقالے کا مواد جمع کیا اور بہ چشم خود اس بات کا مشاہدہ کیا کہ بخارا میں خواجہ بہاء الدین کو الٰہی صفات کا حامل سمجھ کر ان کے نام کی دُہائی دی جاتی ہے۔ اسی سلسلے میں ان کو اُس ذکر خانہ میں ایک حلقۂ ذکر کے بھی مشاہدے کا موقع ملا جہاں خواجہ بہاء الدین نقش بندی مدفون ہیں۔ وہاں پر نقش بندی سلسلے کے لوگوں نے جو "سنگِ مراد" لگا رکھا ہے اس کو دیکھ کر گورڈلیوسکی نے یہ قیاس کیا ہے کہ غالباً نقش بندی سلسلہ کے لوگوں کی خواہش یہ تھی کہ اس پتھر کے توسط سے وہ ایک "وسط ایشیائی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کعبہ" بنائیں۔ انھوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ بخارا کے امیروں کا احترام اس لیے کیا جاتا کہ وہ لوگ اس مسلک کے حامی و محافظ سمجھے جاتے اور بخارا کے یہ امرا بھی خواجہ نقش بندی کے مزار کی زیارت کو اپنے لئے باعث سعادت سمجھتے۔ اس سلسلے میں گورڈلی وسکی نے تیمور لنگ کا نام خاص طور سے لیا ہے اور لکھا ہے کہ تیموران کی بے انتہا تعظیم وتکریم کرتا۔ گورڈلی وسکی کے اس مطالعے کا ایک دلچسپ پہلو یہ ہے کہ ایک طرف تو وہ نقش بندیہ سلسلہ پر الزام لگاتے ہیں کہ وہ "وسط ایشیائی کعبہ" بنانا چاہتے تھے دوسری طرف وہ اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ اس سلسلہ سے منسلک افراد سُنّت کے بڑے سرگرم اور پرجوش مبلغ و مناد تھے مغربی سائبیریا اور وولگا کے علاقوں میں اسلام انہی کی کوششوں کے نتیجے میں پھیلا۔ سائبیریا اور وولگا کے مقابلے میں قفقاز میں ان کی ایک کثیر تعداد آباد تھی جہاں یہ "مرید" کے نام سے موسوم تھے۔ گورڈلی وسکی نے اس خیال کا بھی اظہار کیا ہے کہ "مریدیت" کا اصل منبع بخارا تھا اور مشہور "مرید رہنما" شامل کا اس مسلک کے لوگوں سے "خاص محمد" کے توسط سے بڑا گہرا ربط[1] تھا۔

گورڈلی وسکی کے اس مطالعے سے اختلاف کرتے ہوئے سمرنوف نے یہ لکھا ہے کہ یہ بات ثابت شدہ ہے کہ "مریدیت" کی تحریک اپنے سیاسی رجحانات ترکی اور ترکی کے ایجنٹوں سے حاصل کرتی تھی نقش بندیت تو اس کے لئے صرف ایک پناہ گاہ کی حیثیت رکھتی تھی۔ سمرنوف نے اس بات کی بھی نشاندہی کی ہے کہ خود گورڈلی وسکی نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ ترکی میں (سلطان) محمد دویم کے زمانے سے لے کر انیسویں صدی تک نقش بندی مسلک کے افراد طاقتور اور بڑی اہمیت کے حامل رہے ہیں حتیٰ کہ ۱۹۲۵ء اور ۱۹۳۰ء کی بغاوتوں میں بھی ان کا ہاتھ رہا ہے۔ گورڈلی وسکی نے اپنے مقالے کے آخر میں یہ نتیجہ نکالا ہے کہ مسلمانوں میں جب کسی "آزاد خیال" اور "بے تعصب" تحریک نے سر ابھارنے کی کوشش کی تو نقش بندیت جیسی متصوفانہ تحریکیں ہمیشہ اس کی سدِّ راہ بن کر کھڑی ہوگئیں۔ سمرنوف کے نزدیک نقش بندیت کے لئے صرف اتنا کہنا ناکافی ہے کیونکہ ان کے نزدیک نقش بندی مسلک کے افراد ہمیشہ حکمراں طبقہ کے زیر اثر قابل نفرت رجعت پسندی کا آلہ رہے ہیں۔

سمرنوف نے ایک دوسرے کثیر التصنیف مصنف ای۔ برٹلس (E. BERTELS) کا تعارف ایک ایسے مصنف کی حیثیت سے کرایا ہے جنھوں نے صوفی بزرگوں اور شاعروں پر عالمانہ انداز

---

[1] مریدیت، شامل اور خاص محمد کے بارے میں راقم مواد جمع کر رہا ہے اگر اس سلسلہ میں معتد بہ مواد مل گیا تو وہ بھی ہدیۂ ناظرین ہوگا۔ ک۔ا۔ج

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے متعدد کتابیں لکھی ہیں اپنی زیر بحث کتاب میں سمر نوف نے برٹلس کی مرتب کردہ کتاب "نور العلوم" کا خاص طور سے ذکر کیا ہے جو شیخ ابوالحسن خرقانی کے اشعار کا مجموعہ ہے جس کو برٹلس نے متعدد نسخوں کی مدد سے صرف مرتب ہی نہیں کیا ہے بلکہ اس پر ایک مبسوط مقدمہ لکھ کر شیخ کے سوانح کے مختلف گوشوں کو اجاگر کیا ہے علاوہ بریں انھوں نے شیخ کے اشعار کا روسی زبان میں بھی ترجمہ کر دیا ہے تاکہ فارسی سے ناواقف روسی حضرات شیخ کے افکار، خیالات اور نظریات سے واقف ہو سکیں۔ برٹلس نے اپنی تحقیق کا ماحصل پیش کیا ہے کہ "نور العلوم" کا وہ نسخہ جو ۱۲۹۹ کا مکتوبہ ہے شیخ کی اصل کتاب نہیں بلکہ اس کا اختصار ہے اس کے علاوہ نکلسن اور براؤن نے تصوف کو جن دو ادوار میں تقسیم کیا ہے برٹلس نے اس سے اختلاف کرتے ہوئے اس کو ناقابل اعتنا قرار دیا ہے۔

عہد زیر بحث کے مصنفین نے اسماعیلیت پر بھی خاصا کام کیا جن میں سب سے اہم کام تاجکی سائنسوں کی اکیڈمی کے ایک ممبر اے۔اے۔ سیمینوف (A.A. SEMENOV) کا ہے۔ اسماعیلی افکار و خیالات کے حامل افراد وسط ایشیا، سنکیانگ، ہندوستان اور افغانستان میں بکھرے ہوئے ہیں ان کی کتابیں بھی موجود ہیں اور ان پر کتابیں لکھی بھی گئی ہیں تاہم سمر نوف کے نزدیک یہ ایک انتہائی پیچیدہ موضوع ہے جس سے سیمینوف بڑی بالغ نظری سے عہدہ برآ ہوئے ہیں۔ سمر نوف نے سیمینوف کی کتاب کو "روسی علیت" کا ایک اعلیٰ نمونہ قرار دیا ہے اور اس بات کا خاص طور سے ذکر کیا ہے کہ سیمینوف کے نزدیک اس فرقے کے سربراہ اعلیٰ، آغا خاں برطانوی استعمار کے ایجنٹ ہیں۔

ایک مصنفہ کے۔ایس۔ کشتالیوا (K.S. KASHTALEVA) (م ۱۹۳۹ء) کا شمار دبستان کراچکوسکی کے مصنفین میں ہوتا ہے سمر نوف نے ان کے انداز تحریر کو ایک مصطلحاتی (TERMINOLOGI-CAL) انداز تحریر قرار دیا ہے اور ان کے چار مقالات کا خاص طور سے ذکر کیا ہے۔ کشتالیوا نے ۱۹۲۷ء میں ایک مقالہ "قرآن کی پہلی، چوبیویں اور سینتالیسویں سورتوں کی توقیت کا مسئلہ" کے عنوان سے دوسرا ۱۹۲۸ء میں "قرآنی مصطلحات ایک نئی روشنی میں" اور تیسرا اسی سال "قرآن میں حنیف کی اصطلاح" کے عنوانات سے سپرد قلم کیا۔ علاوہ بریں اس مصنفہ کے ایک اور مقالہ کا ذکر کیا گیا ہے مگر اس کا سنہ اشاعت درج نہیں ہے جس کا عنوان "پشکن کا نقل قرآن" ہے۔

سمر نوف نے کشتالیوا کے موخر الذکر مقالہ کا تجزیہ کرتے ہوئے اس کے بعض مندرجات سے اختلاف کیا ہے۔ کشتالیوا نے اپنے مقالہ میں نتیجہ اخذ کیا ہے کہ [illegible] قرآن کے مصنف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شخصیت سے بہت متاثر تھا اسی لیے وہ قرآن کی طرف راغب ہوا اور اس نے "قرآن

© rasailojaraid.com

کی نقل" نامی کتاب لکھی۔ سمرنوف نے مصنفہ کے اس خیال سے اختلاف کیا ہے کہ قرآن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تصنیف ہے، سمرنوف کے نزدیک یہ صرف مسلمانوں کی روایت ہے[1] اور یہ روایت ان معلومات سے میل نہیں کھاتیں جو اسلام کی ابتدا کے بارے میں روسی عالموں کی دسترس میں ہے۔ سمرنوف کے نزدیک قرآن" اجتماعی تخلیقی سرگرمیوں" (COLLECTIVE CREATIVE ACTIVITY) کا نتیجہ ہے نہ کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تصنیف۔

۱۹۲۵ء سے ۱۹۳۴ء تک کے عرصے میں عصر حاضر کے اسلام کے جو بھی مطالعے ہوئے ان کا مقصد صرف یہ دکھانا تھا کہ اس معاشرہ میں جس میں اکتوبر انقلاب نے آزادی اور قومیت کی ایک کائناتی تحریک کے لیے جذبات ابھارے تھے، اسلام کس طرح حکمراں طبقات اور نو آبادیاتی شہنشاہیت کا آلۂ کار بنا رہا۔ اس سلسلے میں ایم۔ زوایوا (M.ZOE YEVA) نے "نو آبادیات میں مذہب اور شہنشاہیت کے درمیان سانٹھ گانٹھ" ڈھونڈ کر نمایاں کرنے کی کوشش کی اور برطانیہ اپنی صیہونی پالیسی کی وجہ سے عرب ممالک میں چلنے والی "قومی آزادی کی تحریکوں" کی جو مخالفت کر رہا تھا اس کو بھی انھوں نے اجاگر کیا۔ ۱۹۳۱ء میں اے۔ کاموف (A.KAMOV) نے اپنا ایک مقالہ "ہندوستان میں مسلمان" کے عنوان سے شائع کروایا جس میں انھوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ ہندوستان میں قومی آزادی کی جو تحریک چل رہی ہے اس میں اسلام ایک حریف کا کردار ادا کر رہا ہے۔ سمرنوف نے اس مقالے پر یہ اعتراض کیا ہے کہ خلافت ترکی کے مسئلہ پر ہندوستان میں جو لوگ برطانوی پالیسی کی مخالفت کر رہے تھے کاموف نے ان کی نشاندہی تو کر دی ہے مگر وہ یہ بتانے میں ناکام رہے ہیں کہ ایسے مسلمانوں کے سلسلے میں برطانوی پالیسی کیا تھی؟ اسی سلسلے کا ایک اور مقالہ ۱۹۳۱ء میں ایل۔ کلیمووچ (L.KILIMOVICH) نے "مسلمانوں کو ایک خلیفہ مل گیا" کے عنوان سے لکھ کر شائع کروایا۔ اس مقالہ کو تحریر کرنے کا اصل محرک "پان مسلم کانگریس" کا وہ اجلاس تھا جو دسمبر ۱۹۳۱ء میں یروشلم میں منعقد ہوا تھا۔ کلیمووچ کا یہ مقالہ اُن شہنشاہی اثرات پر ایک تبصرہ ہے جو ان کے نزدیک اُس اجلاس کی ساری کارروائی پر غالب رہے

۱؎ سنٹرل ایشین ریویو کے تبصرہ نگار نے سمرنوف کے مآخذ پر کوئی روشنی نہیں ڈالی ہے جس سے اندازہ ہوتا کہ کن مسلم روایتوں میں قرآن کو آنحضرتؐ کی تصنیف کہا گیا ہے۔ سمرنوف کا یہ جملہ ہمارے نزدیک مسلمانوں پر بہتان عظیم ہے اور روئے زمین کا کوئی بھی مسلمان اس عقیدہ کا حامل نہیں ہے کہ قرآن کسی انسان، خواہ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کیوں نہ ہوں، کی تصنیف ہے۔ اسے وہ از اول تا آخر من جانب اللہ سمجھتے ہیں۔ [illegible]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور اسی کے نتیجے میں مسلمانوں نے ایک "خلیفہ" منتخب کرنے کی بھی کوشش کی۔ انھوں نے اس مقالے میں خاص طور سے اس بات پر زور دیا ہے کہ ہر وہ سلطنت جس کا اسلام سے تعلق تھا خواہ وہ منگولوں کی خان شاہیاں ہوں یا عثمانیوں کی بادشاہتیں، سب نے "خلافت" پر اپنا قبضہ جمانے کی کوششیں کیں۔ ان کے نزدیک ترکی کی خلافت کا خاتمہ تاریخی طور پر ناگزیر تھا لیکن خلافت کے خاتمے کے باوجود وہ ترکی کے طرز حکومت سے خوش نہ تھے ان کا خیال تھا کہ ترکی کی جدید حکومت نے مذہبی تنظیموں کو جس طرح باقی رکھا ہے اس کی وجہ سے اس جدید حکومت کا ڈھانچہ بھی بورژوازی ہو گیا ہے۔

۱۹۳۱ء ہی میں ایس۔ ترخانوف (S. TURKHANOV) کا مقالہ "عصر حاضر کے ترکی کی کلیسائی پالیسی" کے عنوان سے منظر عام پر آیا اس مقالہ کو تحریر کرنے کا اصل مقصد یہ دکھانا تھا کہ اُس زمانے کے ترکی کے بورژوا طبقے کو ایک طاقتور اور منزہ مذہب کی صرف اس لئے ضرورت ہے تاکہ اس کے ذریعہ پرولتاری طبقے کو دبا کر رکھا جا سکے۔

ترخانوف کے اس مقالے پر حاشیہ چڑھاتے ہوئے سمرنوف نے اپنے قارئین کی توجہ اس بات کی طرف خاص طور سے مبذول کرائی ہے کہ (سقوط خلافت کے بعد) اسلام نے ترکی میں خاصا عمل دخل حاصل کر لیا ہے اور "پان اسلامیت" اور "پان ترکیت" کا تصور ترکی اور اس کے "آقائے نامدار" امریکہ کی خارجہ پالیسی کا ایک حصہ ہے۔

سمرنوف کی کتاب کا پانچواں باب ۱۹۳۵ء سے ۱۹۵۰ء تک کے ان تصنیفی کاموں کے جائزہ پر مشتمل ہے جن کا موضوع اسلام شناسی ہے۔ سمرنوف نے اس باب کو چند ذیلی عنوانات میں بھی تقسیم کیا ہے۔ ہم بھی اسی تقسیم کے مطابق ان کی پیش کردہ معلومات کا ماحصل بیان کرتے ہیں۔

سب سے پہلے انھوں نے ۱۹۳۵ء سے ۱۹۳۹ء تک کی کتابوں اور مقالوں کا جائزہ لیا ہے اور بتلایا ہے کہ اس عہد کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں اسلام شناسی کے موضوع پر ایک کثیر تعداد میں ایسی کتابیں اور مقالے منظر عام پر آئے جن کا انداز نظر تو سائنسی تھا مگر اسلوب بیان ایسا اختیار کیا گیا تھا جو عوام کو متاثر کر سکے۔ اس سلسلے میں سمرنوف نے ان کتابوں اور کتابچوں کا خاص طور سے ذکر کیا ہے "زاری روس اسلام" (۱۹۳۶ء) "اسلام" (۱۹۳۷ء) "پردہ سے دور رہو" (۱۹۴۰ء) "اسلام کے روزے اور تہوار" (۱۹۴۱ء) "زاری روس میں اسلام" ان چند مسلسل مقالات کا مجموعہ ہے جس میں مصنف نے یہ دکھلانے کی کوشش کی ہے کہ گیارہویں صدی سے لے کر جنگ عظیم اول تک اسلام نے کیا طبقاتی کردار انجام دیا۔ کتاب کے آخر میں کتابیات کی ایک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جامع فہرست بھی شامل کردی گئی تاکہ جو لوگ اس موضوع پر مزید معلومات حاصل کرنا چاہیں اُن کتابوں کا مطالعہ کرلیں۔ سمرنوف نے اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس کے حدود نے مصنف کو اس بات سے باز رکھا ہے کہ وہ اس موضوع کے تمام پہلوؤں کا یکساں اور روشن و واضح تجزیہ کریں اگرچہ اس کے لیے وہ مصنف کو موردِ الزام قرار نہیں دیتے تاہم یہ ضرور کہتے ہیں کہ اس کتاب میں وسط ایشیا اور وولگا کے تاتاریوں کے بارے میں جو مواد پیش کیا گیا ہے وہ اُس مواد سے کہیں بہتر ہے جو قفقاز کے بارے میں درج ہوا ہے علاوہ بریں ان کو اس بات کی بھی شکایت ہے کہ مصنف نے "پان اسلامیت" اور ترکی کی جاگیر داریت اور ملّا شاہی کے درمیان جو باہمی ربط ہے انھوں نے اس کو بخوبی بے نقاب نہیں کیا ہے۔ "مسلمانوں کے روزے اور تہوار" نامی کتاب اُس مواد پر مشتمل ہے جو پہلے شائع ہو چکا تھا مگر یہ کتاب مرتب کرتے وقت اس میں مزید مواد کا اضافہ کیا گیا ہے۔ بقیہ دونوں کتابیں، پمفلٹ ہیں جن کے بارے میں کوئی رائے نہیں دی گئی ہے۔

سنہ ۱۹۴۰ء ہی میں جی۔ اے۔ ابراہیموف (G.A. IBRAGIMOV) کا ایک پمفلٹ "اسلام، اس کا مبداء اور طبقاتی ماہیت" کے عنوان سے شائع ہوا۔ اس پمفلٹ کے بارے میں صرف اتنی معلومات فراہم کی گئی ہیں کہ یہ ایک عام قاری کی رہنمائی و ہدایت کے لیے لکھا گیا ہے خود سمرنوف کو اس بات کا اعتراف ہے کہ اس پمفلٹ کا مواد غیر مروج ہی نہیں بے دلیل بھی ہے۔ غالباً اسی وجہ سے اس پر کوئی تفصیلی نظر نہیں ڈالی گئی ہے صرف اس کا دو سطری تذکرہ کر دیا گیا ہے۔

ابھی تک جن کتابوں اور کتابچوں کا ذکر کیا گیا ہے سمرنوف کے نزدیک ان کا شمار وقیع علمی کاموں میں نہیں ہوتا ان کے نزدیک عہد زیر بحث کا سب سے زیادہ وقیع علمی کام وہ مقالہ ہے جو تین عالموں کی مشترکہ کاوشوں کا نتیجہ ہے جن کے نام ہیں ای۔ اے۔ بلیایئف (YE. A. BELYAYEV) ایل۔ آئی۔ کلیمووچ (L.I. KILIMOVICH) اور این۔ اے۔ سمرنوف (N.A. SMIRNOV)۔ یہ مقالہ روسی انسائیکلوپیڈیا کی اشاعت اول میں "اسلام" کے عنوان سے شائع ہوا تھا۔ سمرنوف کے خیال کے مطابق روسی عالموں کی یہ پہلی سنجیدہ اور وقیع کاوش ہے جس میں ظہورِ اسلام سے لے کر عصر حاضر تک کے اسلام کی مکمل اور بھرپور تاریخ مرتب کی گئی ہے۔ ان کے نزدیک اس مقالے کی اہمیت اور معنویت آج بھی باقی ہے اور اس میں جو مواد جمع کیا گیا ہے وہ اپنی درستگی کی وجہ سے آج بھی قابل حوالہ ہے اس مقالہ میں اسلام کو اُس زمانہ کے عرب خلفاء کی "جاگیردارانہ تصور پرستی" قرار دیا گیا ہے جس زمانے میں وہ اپنی سلطنت کی قلمرو وسیع کر رہے تھے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۹۳۸ء میں ریاستی "مذہب مخالف اشاعت گھر" نے ہنگری کے "بورژوا" مستشرق آئی گولڈزیہر (I. GOLDIZHER) (م ۱۹۲۱ء) کے پانچ مقالات کا مجموعہ "اسلام میں ولیوں کا مسلک"[1] کے عنوان سے شائع کیا۔ ان میں سے کچھ مقالے اس سے پہلے اے۔ کرمسکی (A. KRYMSKII) کے توسط سے روسی زبان میں ترجمہ ہوکر شائع ہو چکے تھے۔ اس مجموعے میں گولڈزیہر کے مقالوں کے علاوہ کراچکوسکی کا بھی ایک مقالہ "اسلام میں ولیوں کا مسلک اور اس پر اگناٹی یس[2] گولڈزیہر کی تحقیق" کے عنوان سے شریک اشاعت تھا۔ گولڈزیہر نے ان مقالوں میں جو مواد پیش کیا ہے اس کو سمرنوف نے قابل قدر تو قرار دیا ہے مگر اسی کے ساتھ ساتھ یہ گلہ بھی کیا ہے کہ گولڈزیہر ایک عینیت پسند فلسفی ہونے کے باوجود "غیر مانوس" مواد استعمال کر گئے ہیں۔ کلیمووچ نے اپنے مقالے کی ابتدا اس بات کی نشاندہی سے کی ہے کہ ایک طرف تو اسلام ایک سخت موحدانہ مذہب ہے اور دوسری طرف اسلامی دینیات نے تضاد والے اصولی برتتے ہوئے اس بات کی اجازت دے دی ہے کہ "ولیوں کا مسلک" اس کے زیر سایہ پھلے پھولے۔ انھوں نے وی۔ آر۔ روزن (V. R. ROZEN) کے اُس مقالے سے ایک اقتباس بھی نقل کیا ہے جس میں روزن نے گولڈزیہر کے اُن کاموں کی تحسین و تعریف کی ہے جو ان کے قلم سے سنتِ محمدیؐ کے موضوع پر نکلے ہیں لیکن اسی کے ساتھ ساتھ کلیمووچ، گولڈزیہر کو اس جرم کا مجرم بھی گردانتے ہیں کہ انھوں نے "نفسیاتی اسلام" کو "عوام میں مروج مذہب اسلام" سے الگ کرنے کی کوشش کی ہے۔ کلیمووچ کا یہ بھی کہنا ہے کہ اسلام میں "اولیا پرستی" کے جو عناصر ہیں وہ اس کے طبعی اور فطری تصورات ہیں نہ کہ خارجی۔ بعد ازاں انھوں نے اِن عناصر کا سلسلہ اُن جاگیردارانہ طاقتوں سے ملایا ہے جو اپنے اثرات "نیم خدا" بن کر دائمی بنانا چاہتی تھیں۔ اس سلسلے میں انھوں نے وسط ایشیائی ولیوں، حاجی احمد یسوی، حاجی احرار اور خواجہ بہاء الدین نقش بندی کے نام بھی ثبوت کے طور پر لیے ہیں۔ ختم کلام کے طور پر کلیمووچ نے گولڈزیہر کی تحریر کو مفید تو قرار دیا ہے مگر شرط لگا دی ہے کہ اس مواد کا استعمال جب تک انتہائی ناقدانہ نظر سے نہ کیا جائے گا مفید نہ ہوگا۔

۱۹۳۹ء میں ایم۔ ایس۔ ایوانوف (M. S. IVANOV) کی کتاب "ایران میں بابی بغاوتیں (۱۸۴۸ - ۱۸۵۲ء)" سائنسوں کی اکیڈمی سے شائع ہوئی اس کتاب میں تین ضمیمے بھی شامل ہیں جن میں اہم ترین ضمیمہ مرزا جانی کی ایک فارسی کتاب کا روسی ترجمہ ہے اس ترجمے سے خاص طور سے بابیوں کے ان

---

[1] ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گولڈزیہر نے مسلک کا لفظ "فرقہ" کے معنوں میں استعمال کیا ہے۔ ک۔ ا۔ ج

[2] اگناٹی یس (IGNATIUS) ایک عیسائی پادری [illegible] اسی لیے اس کو اگناٹی یس گولڈ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فیصلوں کا علم ہوتا ہے جو انھوں نے بدشت کے مقام پر کیے تھے۔ ایوانوف کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ انیسویں صدی کے دبے دبائے ایرانی عوام کی کچلی کچلائی خواہشوں اور تمناؤں کے لیے بابیت امید کی ایک کرن بن کر جلوہ گر ہوئی۔ اسی وجہ سے عوام کی ایک بڑی تعداد سید علی محمد الملقب بہ 'باب' کے گرد جمع ہوگئی۔ انھوں نے بابیوں کے عقائد و نظریات پر اجمال سے نظر ڈالتے ہوئے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ بابیوں کے بہت سے عقاید و نظریات اگرچہ فرقۂ شیخیہ[1] کی تعلیمات و عقاید کی صدائے بازگشت ہیں لیکن بطور مجموعی یہ تعلیمات زراعت پیشہ لوگوں اور ادنیٰ بورژوازیوں کی خواہشات کے خوابوں کو حقیقت کے روپ میں منعکس کرتی ہیں۔ انھوں نے مثالیں دیتے ہوئے بتلایا ہے کہ "قرآن و سنت کی تنسیخ، بابیوں کی ایک مقدس ریاست کا قیام، بیرونی لوگوں کے اخراج، بیرونی لوگوں اور ظالم و جابر ستمگروں (مراد حکمرانوں سے ہے) کی جائدادوں کی ضبطی اور پھر اس کے عوام میں تقسیم ہونے کا اعلان کر کے باب نے زراعت پیشہ لوگوں کے اُس خواب کو حقیقت میں منعکس کر دیا جہاں وہ ایک ایسی دنیا میں ہوں گے جس میں ہر شخص برابر ہوگا اور غیر ملکی سرمایہ ان کی دستکاریوں اور گھریلو صنعتوں کو تباہ و برباد نہ کر سکے گا"

اِن تمام باتوں کے باوجود ایوانوف اس بات کی بھی نشاندہی کرتے ہیں کہ باب کے پروگرام میں زراعت پیشہ لوگوں کے مقابلے میں تجارت پیشہ طبقے کے مفادات کا زیادہ خیال رکھا گیا تھا۔ ضبط شدہ جائدادیں سب لوگوں میں برابر برابر تقسیم نہیں کی جانے والی تھیں بلکہ ان کی تقسیم میں لیاقت و اہلیت کو مدنظر رکھا گیا تھا۔ اسی سلسلۂ سخن میں ایوانوف نے اس بات کی بھی نشاندہی کی ہے کہ اس طرح کی نابرابری یا تفریق کا تصور بابیوں کی مقدس کتاب "بیان" کے کئی ابواب میں جگہ جگہ ملتا ہے۔ سمرنوف نے ایوانوف پر اعتراض کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ نابرابری کے موضوع سے بخوبی عہدہ برآ نہیں ہو سکے ہیں کیونکہ اگر باب کے یہاں نابرابری کا ایسا ہی تصور ہوتا تو عوام کبھی بھی اتنی بڑی تعداد میں اس کے گرد نہ جمع ہوتے سمرنوف نے ایوانوف کے اس خیال سے تو اتفاق کیا ہے کہ "بدشت" میں جو پروگرام طے کیا گیا تھا اس کے کئی حصوں مثلاً برابری کا تصور، ٹیکسوں اور نذرانوں کا خاتمہ اور جائدادوں کی ضبطی سے بہت سے اُن بابیوں نے جو وہاں موجود تھے، اختلاف کیا تھا اور وہ ان باتوں کے لیے آمادہ نہ تھے لیکن ایوانوف کے نتیجہ کے برعکس ہے۔ سمرنوف کا خیال ہے کہ اس نتیجہ سے یہ بات بالکل واضح ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ ابتدائی طور پر بابیت قصباتی باشندوں کی ایک تحریک تھی، اس بغاوت میں زراعت پیشہ

---

[1] اس فرقہ کے بانی کا نام شیخ احمد احسائی ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لوگوں نے صرف نیر بیٹر میں حصہ لیا تھا یہ صرف زراعت پیشہ لوگوں کی تحریک اور بغاوت نہ تھی، سمر نوف کے نزدیک ایوانوف اس زندہ حقیقت کو اجاگر کرنے میں ناکام رہے ہیں پھر بھی وہ اس کتاب کی اس اہمیت کے قائل ہیں کہ اس میں شیعیت اور بابیت و شیعیت کے اختلاف کے بارے میں قابل قدر اور مفید مواد ملتا ہے۔

۱۹۳۹ء ہی میں بارتھولڈ کے دو مقالے "قرن اولیٰ کے اسلام پر بارتھولڈ کے دو غیر مطبوعہ مقالے" کے عنوان سے منظر عام پر آئے ان مقالوں میں بارتھولڈ نے یہ دکھلانے کی کوشش کی ہے کہ کس طرح بہ تدریج اسلام نے خواتین کے حقوق پر بندشیں عائد کیں۔ سنٹرل ایشین ریویو کے تبصرہ میں ان مقالوں کا دو سطری ذکر ہے جس سے یہ بات واضح نہیں ہوتی کہ بارتھولڈ نے اپنا مذکورہ خیال کس طرح اور کن ماخذ کے ذریعے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

کمیونسٹ پارٹی کے اجلاس منعقدہ ۱۹۴۶ کی کئی قراردادوں نے ان "مضر" رجحانات کو بے نقاب کر کے رکھ دیا جو قومی تحریکات بالخصوص شامل اور کینسری قاسموف (KENESARY KASIMOV) کی تحریکات کی توجیہ و تشریح کرتے وقت ابھر کر سامنے آرہے تھے، ۱۹۴۶ء سے قبل مذکورہ دونوں افراد کی فوجی نقل و حرکت کو ترقی پسندانہ اور عوامی سمجھا جاتا تھا۔ سمر نوف کے نزدیک یہ نقطۂ نظر (دونوں تحریکوں کو ترقی پسندانہ اور عوامی سمجھنا) ایم۔این۔پوکروسکی (M.N. POKROVSKII) کے غیر مارکسی دبستانِ فکر کی تعلیم و اصول کا نتیجہ تھا۔ جو کتابیں پوکروسکی کے نقطۂ نظر کی تائید و تصدیق کرتی ہیں ان میں سمر نوف کے نزدیک ایس۔کے۔بشوئیف (S.K. BUSHUYEV) کی کتاب "شامل کی رہنمائی میں اس کا تستانیوں کی جدوجہد آزادی" (۱۹۳۹ء)، آر۔ایم۔محمدوف (R.M. MAGOMEDOV) کی کتاب جس کا عنوان بھی یہی ہے۔ (۱۹۳۹ء)، جی گیوسی نوف (G. GUSEINUV) کی کتاب "انیسویں صدی کے آذربائیجان کی سماجی اور فلسفیانہ فکر کی تاریخ" خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ اسی سلسلۂ سخن میں ان کتابوں کے علاوہ سمر نوف نے این۔آئی۔پوکروسکی (N.I. POKROSKII) کے ایک مقالے "مریدیت" (۱۹۴۱) کا بھی ذکر کیا ہے۔ این آئی۔پوکروسکی کا یہ مقالہ دراصل ان کی ڈاکٹرل تھیسس کا ایک باب ہے جو "شمالی۔مشرقی قفقاز کی فتح اور اس کا تستانیوں کی جدوجہد آزادی" کے عنوان سے لکھا گیا تھا۔ وہ اپنے انہی افکار کو سات سال قبل ۱۹۳۴ء میں بھی اپنے ایک مقالے میں پیش کر چکے تھے جس کا عنوان "مریدیت اقتدار کی طرف" تھا مگر اس مقالے میں انھوں نے "مریدیت" کی فوجی نقل و حرکت پر کم اور سیاسی اہمیت پر اپنی ساری توجہ مرکوز رکھی تھی۔ جہاں تک ان کے تحقیق

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مقالے کا سوال ہے اُس میں انھوں نے یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ اس فوجی نقل و حرکت کا آغاز "مُلّا" نہیں کر سکتے تھے "ملاؤں" کو اس فوجی نقل و حرکت کا ذمہ دار صرف اس لئے سمجھا جاتا ہے کہ یہ نقل و حرکت مذہب سے ہم آہنگ ہو گئی تھی لیکن این۔ آئی۔ پوکروسکی مذہب سے اس ہم آہنگی کو ہر اُس فوجی نقل و حرکت کا ناگزیر لاحقہ یا ضمیمہ سمجھتے ہیں جو "مسلم قفقاز" میں جنم لیتی۔ ان کا یہ بھی خیال ہے کہ انیسویں صدی سے پہلے قفقاز میں اسلام اپنے قدم نہیں جما سکا تھا کیونکہ "عادت" (مروج قوانین) شریعت کے مقابلے میں وہاں کے جاگیرداروں کے طبقے کے لیے زیادہ مفید تھی۔ اس طرح قفقاز میں اسلام کی اشاعت کو ایک "طبقاتی تحریک" سمجھنا چاہیے۔

سمرنوف نے این۔ آئی۔ پوکروسکی کی زیر بحث کتاب پر چند در چند اعتراضات کئے ہیں سب سے پہلا اعتراض انھوں نے یہ کیا ہے کہ مصنف نے اس بات کو واضح طور سے ثابت نہیں کیا ہے کہ واقعی عوام کے لئے "عادت" کے مقابلے میں شریعت زیادہ قابل قبول تھی دوسرا اعتراض یہ ہے کہ مصنف گو خود اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ روس کے خلاف جو بغاوتیں ہوئیں وہ عوامی نہیں بلکہ "مریدوں" کے رہنماؤں کی خواہشوں کا نتیجہ تھیں۔ اس لیے سمرنوف کے نزدیک یہ کہنا غلط ہوگا کہ "مریدوں" کی فوجی نقل و حرکت اور روسیوں سے ان کی جھڑپیں عوام کی خواہشوں اور تمناؤں کا اظہار کرتی ہیں۔ مزید برآں ایک طرف تو این۔ آئی۔ پوکروسکی یہ کہتے ہیں کہ ان بغاوتوں کے سلسلے میں ایران سے جو اتحاد تھا وہ حکمراں طبقہ کی کاوشوں کا نتیجہ تھا اور کوئی ایسا مواد ان کی دسترس میں نہیں ہے جس کی بنا پر واضح طور سے یہ کہا جا سکے کہ "مریدوں" نے اس اتحاد کی کیسی اور کس طرح کی مخالفت کی تھی حالانکہ ایران کے لوگ شیعہ تھے اور "مرید" غیر شیعہ۔ دوسری طرف جب وہ ۱۸۲۶ء کی زاقتالا[1] کی بغاوت کا ذکر کرتے ہیں تو اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ "بیکوں" کا فوجی صدر کیمپ ایران میں تھا، لیکن اس کے باوجود وہ اس بات کو درست نہیں سمجھتے کہ "مریدوں" کی بغاوتوں کو بطور مجموعی ایرانی شورش کے نام سے منسوب کیا جائے۔ اس کتاب پر سمرنوف کا آخری اعتراض یہ ہے کہ این۔ آئی۔ پوکروسکی نے اُس تعلق اور بندھن پر کوئی روشنی نہیں ڈالی ہے جو ترکی اور "مریدوں" کے درمیان تھا۔ سمرنوف کے نزدیک ترکی اور "مریدوں" کا یہ تعلق اور اتحاد صرف روس ہی کے لیے نہیں بلکہ کوہستانی عوام کے لیے بھی ایک مستقل خطرہ بنا ہوا تھا۔ اسٹالن پرائز کمیٹی نے جی۔ گیوسی نوف کی مذکورہ بالا کتاب پر اپنا فیصلہ دیتے ہوئے شامل اور

---

[1] سنٹرل ایشین ریویو میں اس نام کی ہجے DZHAR درج ہے R غالباً کتابت کی غلطی ہے اس کی جگہ V ہونا چاہیے۔ (ک۔ا۔ز؟)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"مریدیت" کی تحریک کو ایک ایسی رجعت پسند قومی تحریک قرار دیا ہے جو برطانوی سرمایہ داروں اور ترکی کے بادشاہ کے زیر سایہ پروان چڑھی۔ اس نقطۂ نظر کی تائید و توثیق ان دوسری کتابوں سے بھی ہوتی ہے جو "مریدیت" پر لکھی گئی ہیں۔ ان کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ قفقاز کے بیشتر "ترقی پسند" قومی لیڈر زاری روس کی نو آبادیاتی پالیسیوں کے مقہور ہونے کے باوجود ہمیشہ روس ہی سے مدد کے خواہاں رہتے۔ شامل کے بہت سے معاصرین، جن میں سمرنوف نے آرمینیہ کے ایم۔ نلبندیان (M. NALBANDYAN) اور آذربائیجان کے مرزا فتالی آخوندوف (غالباً فتح علی آخوندوف) اسلام، شامل اور "مریدیت اور شامل کی بغاوت کی ترجمانی میں نقص" (۱۹۵۰ء) کا بھی ذکر کیا ہے جس میں یہ دکھلایا گیا ہے کہ داغستان کے لوگ کیوں ہمیشہ روس کی طرف داری کرتے تھے جس کی وجہ سے وہ مشرق کے عصمت دروں (انگلینڈ اور ترکی) سے بچے رہے۔ بہر حال مصنف کی نظر میں شامل کا ربط ضبط ترکی سے تھا، اس نے یہ بھی لکھا ہے کہ روس کے محافظ خانہ میں ایسی دستاویزیں محفوظ ہیں جو اس بات کا ثبوت بہم پہونچاتی ہیں کہ داغستان میں "مریدیت" کا بیج بونے والے شیخ خالد اور حاجی اسماعیل، ترکی کے ایجنٹ تھے۔ اگر کچھ علما حکمراں طبقہ کی مخالفت کر بھی رہے تھے تو اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے طبقہ میں بھی روس کے مویدین موجود تھے۔ دانیالوف نے یہ بھی لکھا ہے کہ جب شامل نے داغستان میں شریعت کا نفاذ کیا تو وہ وہاں کے لوگوں کے لیے ایک ناقابل برداشت بوجھ بن گئی اور اس نے وہاں کی ترقی کی رفتار کو روک کر رکھ دیا۔ اپنے مقالے کے آخر میں دانیالوف نے محمدوف کی مذکورہ بالا کتاب پر بڑے سخت الفاظ میں تنقید کی ہے۔ محمدوف نے شامل اور ان کی تحریک کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے اس کا مواد انھوں نے مقامی روایتوں اور کتابوں سے لیا ہے غالباً اسی لیے دانیالوف نے محمدوف کو "قومی تعصب" کا شکار قرار دیا ہے۔

شامل اور ان کی تحریک کے بارے میں ایک ایسی تحریری معاصر شہادت موجود ہے جس کے مطالعے سے اس تحریک کا اصل بنیادی مقصد اور اس کا انداز کار بخوبی سمجھا جا سکتا ہے۔ شامل (م ۱۸۷۱ء) کے سکریٹری طاہر (م ۱۸۸۲ء) نے اپنے وقائع میں اس تحریک کے بارے میں بہت سے حقائق کو بے نقاب کیا ہے۔ اس مخطوطہ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں طاہر نے شامل کے بارے میں جو اطلاعات فراہم کی ہیں ان کو انھوں نے خود شامل کی زبان سے سننے کے بعد حرف بہ حرف اپنے وقائع میں درج کیا ہے۔ طاہر کے وقائع کا یہ مخطوطہ ان کے خاندان میں محفوظ رہا اور ان کے صاحبزادے حبیب اللہ نے بھی اس میں بعض واقعات کا اضافہ کیا۔ طاہر کی یہ تحریر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عربی زبان میں تھی۔ اس کا پہلا روسی ترجمہ ۱۹۲۶ء میں "تین امام" کے نام سے شائع ہوا۔ ایم۔اے۔ بارابانوف (M.A.BARABANOV) نے ۱۹۴۱ء میں اس کا دوسرا ترجمہ کیا اور اپنے ایک طویل مقدمہ کے ساتھ شائع کیا۔ سمرنوف کے نزدیک اس دوسرے ترجمہ کی اشاعت سے "مریدیت" کے موضوع پر کام کرنے والوں کو ایک نیا اندازِ نظر ملا۔ بارابانوف نے اپنے مقدمہ میں لکھا ہے کہ پہلے ترجمے کی روشنی میں شامل کی جو تصویر کشی کی گئی ہے اس میں وہ اپنی اصل شخصیت کے برعکس ایک متشدد قاتل نظر آتے ہیں۔ اس نقطۂ نظر نے دوسری اُن کتابوں میں اپنا عمل دخل دکھلایا جو "مریدیت" پر لکھی گئی ہیں اس سلسلے میں بارابانوف نے بوشیوف کی کتاب کا خاص طور سے ذکر کیا ہے جو درج بالا نقطۂ نظر سے شدید طور سے متاثر ہوئی ہے۔ طاہر نے اپنے وقائع میں اُن جنگوں کا بھی خاص طور سے ذکر کیا ہے جو ۱۸۵۱ء سے ۱۸۵۶ء تک کے درمیان داغستان میں شامل کی رہنمائی میں لڑی گئی تھیں۔ طاہر کی تحریروں کی روشنی میں ان جنگوں پر مزید کام کرنے کی گنجائش ابھی باقی ہے۔ سنٹرل ایشین ریویو کے اس تبصرے سے اس بات کا علم نہیں ہوتا کہ بارابانوف نے شامل کے بارے میں کیا کیا لکھا ہے اور ان کی تحریک کو کس نظر سے دیکھا ہے لیکن چونکہ انھوں نے پہلے ترجمہ کو حقیقت کی صحیح تصویر کشی نہ کرنے والا قرار دیا ہے اس لیے یہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ بارابانوف نے شامل کو متشدد قاتل کی شکل میں نہ دیکھا ہوگا بلکہ ان کی قومی خدمات کو ابھارا ہوگا۔

۱۹۵۰ء میں این۔ سمرنوف کی کتاب "شیخ منصور اور ان کے ترکی کے معاونین "حرم" شائع ہو کر منظر عام پر آئی۔ این۔ سمرنوف ان روسی مصنفین میں ہیں جنھوں نے اس موضوع پر خاصا کام کیا ہے کہ ترکی نے اپنے مفاد کے لیے اسلام کو کس کس طرح استعمال کیا۔ شیخ منصور پر انھوں نے جو کتاب لکھی ہے وہ بھی اسی موضوع کا احاطہ کرتی ہے جس میں انھوں نے تفصیل کے ساتھ یہ دکھلایا ہے کہ شیخ منصور نے کس طرح شمالی قفقاز کے عوام کے دلوں کو جیتنے اور ترکی سے مدد حاصل کرنے کی کوششیں کیں۔ شیخ منصور کے سلسلے میں اس کتاب سے کہیں زیادہ مواد این۔ سمرنوف اپنی ایک دوسری کتاب "اسلام کے جھنڈے تلے ترکی کے جاسوس" میں فراہم کرچکے ہیں۔ سینٹرل ایشین ریویو کے تبصرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب بھی ۱۹۵۰ء میں شائع ہوئی تھی۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ سمرنوف نے اپنے مطالعے کے دوران جو مواد جمع کیا تھا اس کو دو حصوں میں تقسیم کرکے دو کتابوں میں شائع کردیا ہے۔ شیخ منصور کے سلسلے میں کوئی تفصیل ہماری دسترس میں نہیں ہے اس لیے یہ قیاس کرنا مشکل ہے کہ این۔ سمرنوف نے کس حد تک اپنے موضوع اور شیخ منصور کے ساتھ انصاف کیا ہے؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کے بعد مصنف نے کچھ ایسی کتابوں کا ذکر کیا ہے جن کا موضوع "وسط ایشیائی مطالعاتِ علوم اسلامی" ہے۔ اس سلسلے میں مصنف نے نگمت سابی ٹوف (NIGMET SABITOV) کی کتاب "قازقوں کے مدرسے اور مکتب" کا ذکر کیا ہے جو ۱۹۵۱ء میں قازق سائنسوں کی اکیڈمی کی طرف سے شائع ہو کر منظر عام پر آئی۔ اس کتاب میں وولگا کے تاتاریوں اور وسطِ ایشیا کی دوسری اقوام کے نظامِ تعلیم کا بھرپور ناقدانہ جائزہ لیتے ہوئے بتلایا گیا ہے کہ اس نظامِ تعلیم سے جو طلبہ اور اساتذہ منسلک تھے وہ دنیا کے بقیہ حصے سے یکسر ناواقف و لاتعلق ہونے کے باوجود نہ صرف "پان اسلامیت" کے تصور میں جکڑے ہوئے تھے بلکہ امریکی اور برطانوی سامراجیوں کے بھی مفید مطلب تھے۔ سابی ٹوف اس سے قبل اپنے ۱۹۴۹ء کے ایک مقالہ "پان اسلامیت اور پان ترکیت کے رجعت پسندانہ تصور کے مقابل میں" میں اس بات کی واضح طور سے نشاندہی کر چکے ہیں کہ "اب لاینحل طور سے پان اسلامیت نے پان ترکیت پان عربیت اور پان ایرانیت سے رشتۂ ازدواج ہموار کر لیا ہے"۔ سمرنوف کے نزدیک "قازقوں کے مکتب اور مدرسے" میں سابی ٹوف نے اس مسئلہ پر کوئی خاص نظر نہیں ڈالی ہے اور اس کو ناصاف اور گنجلک چھوڑ دیا ہے۔ انھوں نے بہ اصرار یہ بات کہی ہے کہ ان مدرسوں میں جو تعلیم دی جاتی وہ قطعی غیر مفید ہوتی علاوہ بریں ان مدرسوں اور مکتبوں کے دروازے غریب ترین طبقے کے لوگوں کے بچوں پر بند رہتے۔ ان مکتبوں اور مدرسوں میں عربی، تاتاری اور فارسی زبانوں میں تعلیم دی جاتی مگر مقامی بولیوں کی تعلیم کا کوئی انتظام ہی نہ ہوتا۔ "جدیدیوں" کے زیرِ اثر چند موضوعات درس کا ضرور اضافہ ہوا مگر وہ سب کے سب وہی درس تھے جن کی بنیادیں بڑے مستحکم انداز سے پان ترکیت پر استوار کی گئی تھیں۔ قازقوں کو اصل اور حقیقی تعلیم ان معدودے چند روسی مکتبوں اور مدرسوں میں ملی جو ان کے علاقوں میں قائم تھے۔

اسی سال اوزبک سائنسوں کی اکیڈمی نے ایک کتاب "اوزبکستان کے اثریات (ARCHAE-OLOGY) اور علم الاقوام پر مواد" کے نام سے شائع کی جس میں بقول سمرنوف، او۔ اے۔ سوخاریفا (O.A. SUKHAREVA) کا ایک بہت دلچسپ مقالہ "وسط ایشیا میں مسلمان ولیوں کے مسلک کا مسئلہ" کے عنوان سے شریکِ اشاعت ہے۔ ایس۔ پی۔ ٹالسٹوف نے اسلام کی ابتدا کے بارے میں جو نظریہ پیش کیا تھا مذکورہ مقالہ ان ہی خطوط پر لکھا گیا ہے اپنے مقالہ میں مصنفہ نے یہ دکھلایا ہے کہ "اتحادِ مذاہب" وسط ایشیا کے اسلام کی ایک نمایاں خصوصیت رہی ہے ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ اوزبکستان کے عوام بہت سے اخلاقی قوانین بالخصوص شادی کے مسئلہ کے سلسلے میں مروجہ اسلام کی غیر استدلالی سختی کو پسندیدگی کی نظر سے نہ دیکھتے تھے۔ سمرنوف نے سوخاریفا کی اس کتاب پر یہ اعتراض کیا ہے کہ مصنفہ نے اُس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طبقاتی ڈھانچے سے کم ہی اعتنا کیا ہے جس کی وجہ سے اوزبکستان کے عوام میں یہ تصورات ابھرے۔ ان کو یہ بھی شکایت ہے کہ مصنف نے اس بات کو بھی بخوبی واضح نہیں کیا ہے کہ اوزبکستان میں اسلام کبھی بھی عوام کا مذہب نہ بن سکا۔ سمرنوف نے اس کتاب کی خامیوں کو تو نمایاں کر دیا ہے مگر یہ نہیں بتلایا کہ ان کے نزدیک اس کتاب میں کوئی خوبی بھی ہے یا نہیں؟

سنہ ۱۹۵۵ء ہی میں ایس۔ آر۔ سمرنوف کی ایک کتاب "سوڈان میں مہدی کی بغاوت" کے نام سے روس کی سائنسوں کی اکیڈمی نے شائع کی۔ اس کتاب کو این۔ اے۔ سمرنوف نے مہدی کی بغاوت کے بارے میں پہلا مارکسی روسی تجزیہ قرار دے کر اس کی اہمیت کا اعتراف کیا ہے۔ ایس۔ آر۔ سمرنوف نے اپنی کتاب میں اس تضاد کو نمایاں کیا ہے کہ ایک طرف تو مہدی کی تحریک قومی خصوصیات کی حامل تھی اور دوسری طرف مہدی رجعت پسندانہ مذہبی نصب العین رکھتے تھے۔

اس کے بعد این۔ اے۔ سمرنوف نے آئی۔ وائی۔ کراچکوسکی کی ایک کتاب "عربی کی روسی فضیلت علمی کی تاریخ کا خاکہ" مطبوعہ ۱۹۵۰ء کا مختصر سا ذکر کیا ہے اور اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ انھوں نے زیر بحث اپنی کتاب کو مرتب کرنے کے لیے کراچکوسکی کی کتاب سے بھرپور استفادہ کیا ہے۔ غالباً این۔ سمرنوف نے سنہ ۱۹۵۱ء کی کسی کتاب یا مقالہ پر بھرپور اظہار رائے نہیں کیا ہے اس لیے سنٹرل ایشین ریویو کے تبصرہ نگار نے ایک مقالہ اور ایک کتاب کا صرف نام لکھ کر ان کا سن اشاعت درج کر دیا ہے اس لیے ہم ان کتابوں کے بارے میں قارئین کو کچھ اطلاعات فراہم کرنے سے قاصر ہیں۔

درج بالا تمام علمی اور تحقیقی کاموں کا اپنے نقطۂ نظر سے جائزہ لینے کے بعد سمرنوف نے اختتامیہ کے طور پر جو کچھ لکھا ہے اس کے چند پیراگرافوں کا سنٹرل ایشین ریویو کے تبصرہ نگار نے ترجمہ بھی شائع کیا ہے۔ ہم بھی اُسی ترجمے کا اردو ترجمہ قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے اپنی بات کو پایۂ اختتام تک پہونچاتے ہیں۔

> "جے۔ وی۔ اسٹالن کی آخری کتاب "سوویت سوشلسٹ روس میں سوشلزم کے معاشی مسائل" نے سماجی مورخین کے ہاتھوں میں ایک نیا اسلحہ دے دیا۔
>
> "کمیونسٹ پارٹی کی انیسویں کانگریس کے فیصلوں نے سوویتی تاریخی سائنسوں کو نظریات کے نئے اصولوں سے مسلح کیا اور ان کے سامنے ترقی کے لیے امکانات منکشف کیے۔
>
> "انھوں نے (پارٹی کانگریس کے فیصلوں نے) تاریخی تلاش و تحقیق کے لیے موجود

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حقیقی مسایل، تمام نظریاتی گمراہی و ضلالت، قبول عام حاصل کرنے کے لیے جزئی تاریخی واقعات کی غلط ترجمانی، بورژواژی قوم پرستی اور دیگر بورژواژی نظریات کی بقا کے خلاف مورخین کو متحرک کیا۔

"سوویتی سماج کی تاریخ اور کمیونسٹ پارٹی کی رہنمائی میں سوویتی عوام کی سوشلزم کی بنیاد رکھنے اور بہ تدریج کمیونزم کو اختیار کرنے کی جدوجہد کی تاریخ کے سلسلے میں حقیقی مارکسی تحقیقات کے آغاز کا کام اس وقت سوویتی مورخین کے سامنے ہے، ان کو اس طرح کی تحقیقات مشرق کے ان دور دراز علاقوں کے سلسلے میں بھی کرنی چاہییے جہاں مذہبی نظریے اور ادارے وہاں کے بالائی ڈھانچے میں ایک اہم مقام رکھتے ہیں۔" سوویتی محققین اسلام کے سامنے جو کام ہے (وہ یہ ہے کہ) اسلام کی ابتدا اور اس کی اولین ہئیت کے بارے میں ایسے کام کریں جو سائنسی انداز تحقیق کے لحاظ سے بودے نہ ہوں اور ایسا لٹریچر مہیا کرنے پر زیادہ توجہ دیں جو سائنسی مقتضیات کا جواب دے سکے اور لگے ہاتھوں اس بات کو ٹھوس مثالوں کے ذریعے واضح کر سکے کہ تاریخ کے مختلف ادوار میں اسلام کا سماجی کردار کیا رہا ہے۔ خاص طور سے اسلام کے عصر حاضر کے اس پہلو کو بے نقاب کرنے پر مزید توجہ دینی چاہیے کہ وہ استحصالی طبقوں اور نوآبادیاتی نظام کے لیے ایک سہارا ہے (علاوہ برایں) پان اسلامیت اور پان ترکیت کے بطن میں پلنے والے ان رجعت پسندانہ اور ناپسندانہ نظریات کو واضح کرنا چاہیئے جن کو اول اول امریکی سامراجیوں نے مشرق کو اپنا غلام بنانے کے لیے استعمال کیا ہے۔

"آخر الامر، اسلامی مسایل پر ہمارا لٹریچر سوویتی عوام بالخصوص ان عوام کی رہنمائی کرنے والا ہونا چاہیئے جو ان جمہوریتوں میں رہتے ہیں جہاں اب بھی مذہب موجود ہے۔ اس لٹریچر کو ہمارے پروپگنڈا کرنے والوں کو معلومات سے مسلح کرنا چاہیئے تاکہ وہ لوگ مذہبی باقیات رسوم اور تصورات کے خلاف اپنی جدوجہد میں ان کے ذریعے عوام کے شعور کو بیدار کر سکیں (اسی کے ساتھ ساتھ) اس لٹریچر کو مزدوروں کو سوویتی حب الوطنی اور اقوام عالم سے درس دینے والا بھی ہونا چاہیئے۔" (ختم شد)

© rasailojaraid.com